DELHI UNIVERSITY LIBRARY

Cl. No. P16804173 '68N5:

Ac. No. E10883 Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below An overdue charge of 0 5 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

DELHI UNIVERSITY
LIBRARY

اُردو کی ابتدائی نشوونما

میں

صوفیائے کرام کا کام

نوشتہ

مولوی عبدالحق

ناشر

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

کتب خانہ انجمن تر

جملہ حقوق بحق انجمن ترقی اردو (ہند) محفوظ ہیں

قیمت
ایک روپیہ

تعداد اشاعت
گیارہ سو

یونین پریس، دہلی

فہرست مضامین

۱-	صوفی اور اس کی حیثیت	۵
۲-	مسلمان درویشوں کی آمد ہندستان میں	۷
۳-	ہندستانی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے کی ضرورت	۸
۴-	مشاہیر اولیا کا ہندستانی میں اظہار خیال کرنے کی ایک معتبر شہادت	۸
۵-	خواجہ معین الدین چشتی رح	۹
۶-	حضرت فریدالدین شکر گنج رح	۹
۷-	حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری	۱۳
۸-	حضرت بو علی قلندر	۱۴
۹-	امیر خسرو	۱۵
۱۰-	شیخ سراج الدین عثمان	۱۶
۱۱-	شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۱۷
۱۲-	حضرت شاہ برہان الدین غریب	۱۸
۱۳	حضرت گیسو دراز بندہ نواز	۱۹
۱۴-	حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم	۲۲
۱۵-	حضرت سید محمد جونپوری	۲۵

۱۶۔ شیخ بہاء الدین باجن ۲۷
۱۷۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۲۸
۱۸۔ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری ۲۹
۱۹۔ شیخ وجیہ الدین احمد علوی ۳۰
۲۰۔ شیخ بہاء الدین برناوی ۳۱
۲۱۔ سید شاہ ہاشم حسنی العلوی ۳۲
۲۲۔ شمس العشاق شاہ میراں جی ۳۹
۲۳۔ شاہ برہان الدین جانم ۵۱
۲۴۔ شاہ امین الدین اعلیٰ ۵۷
۲۵۔ سید میراں حسینی ۵۹
۲۶۔ قاضی محمود دریائی بیرپوری ۶۱
۲۷۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی ۶۵
۲۸۔ میاں خوب محمد چشتی ۶۷
۲۹۔ بابا شاہ حسینی ۷۰
۳۰۔ گجراتی اور دکنی کا فرق ۷۲
۳۱۔ صوفیاء کے کلام و تصانیف کی حیثیت اور اُن کا کام ۷۴
۳۲۔ خاتمہ بر تذکرہ حضرت کبیر ۷۷

اردو کی ابتدائی نشو و نما

میں

صوفیائے کرام کا کام

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے۔ اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ ملا اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ بُرے سے بُرے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے۔ وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت۔ وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اس کا شیوہ درگزر کرنا ہے۔ وہ خودی اور خود نمائی سے پڑا اینٹھتا ہے اور یہ فروتنی اور خاک ساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس

متاثر
کا محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو بھاتا ہے۔

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ لیکن صوفی ہرایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔ وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے۔ اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیادار ہوتا ہے مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے۔ وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں، جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے۔ مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی۔ اس میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی، پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور صحیح بھی ہے، جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا "اگر در ہوا پری مگسی،

اگر بر دریا روی خسی، اگر دل بدست آری کسی،، پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے لا نماز گزاردن کار بیوہ زنان است، روزہ داشتن صرفہ نان است ۔ حج کردن کار بیکاراں است، وے دریاب کہ کار آنست[۱]،،

یہی وجہ ہے کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے۔ اور فقیر کا دربار عام ہے۔ جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لئے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور اِن کا بے پایاں۔ اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار اور باجبروت بادشاہوں کو بھی اُس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

مسلمان درویش ہندستان میں پُرخطر اور دشوار گزار رستوں، سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات اُن کی طبیعت کے مخالف تھی۔ جہاں کی آب و ہوا، رسم و رواج، صورت شکل آداب و اطوار، لباس، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو۔ لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں۔ لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا صبح و شام اُن کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک ”شریف،، اور ”مقدس،، کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ کیا بات

[۱] قلمی نسخہ سرور الصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب گنج

تھی؟ بات یہ تھی کہ اُن کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امراء وسلاطین کے پاس ہے اور نہ علماء وحکماء کے پاس۔

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لئے کھلا تھا۔ بلا امتیاز ہر قوم وملت کے لوگ اُن کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے۔ عام وخاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔ خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے۔ اس لئے تلقین کے لئے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم وفاضل ہونے کے خواص کو چھوڑ کر عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا گر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح **اکھوتی** (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ) کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے:-

" وتوہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبانِ عربی تکلم نہ
کردہ، زیرا کہ جملہ اولیاء اللہ در ملکِ عرب مخصوص نہ بودہ۔
بس بہر ملکے کہ بودہ زبان آں ملک را بکار بردہ اند۔
وگمان نہ کنند کہ ہیچ اولیاء اللہ بہ زبان ہندی تکلم نہ
کردہ زیرا کہ اول از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب
خواجہ بزرگ معین الحق والملۃ والدین قدس اللہ سرہ
بدیں زبان سخن فرمودہ، بعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر

قدس اللہ سرہٗ وحضرت خواجہ گنج شکر در زبانِ ہندی و
پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم مشہور
اند۔ اشعار از دوہرہ وسورٹہ و امثال آں نظم نمودہ۔
ہمچناں ہریکے از اولیا بدین لسان تکلم می فرمودند تاکہ
عہدِ خلافت ایشاں با محقق مدقق[1] رسید دوے دریں زباں
بسیارے از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف
فرمودہ ویکے از مصنفات وے اکھروتی است "

افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز
کا کوئی معتبر قول ہندی زبان میں نہیں ملا، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے
ہوئے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں
سے کم ان کے معتقد نہیں۔ "ہندالولی" کی ترکیب اور "غریب نواز" کا لقب خود
ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ شیخ فریدالدین
گنج شکر قدس سرہٗ کے متعدد مقولے ملتے ہیں۔ مولانا سید مبارک معروف بہ میر
خورد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید و مصاحب خاص تھے۔
انھیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ انھوں نے
اپنی تالیف سیرالاولیا[2] میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سنے اور
آنکھوں دیکھے تھے مرتب کرکے لکھے ہیں۔

شیخ فریدالدین شکر گنج

اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو ہندی قول بھی
آگئے ہیں وہ ہم عبارتِ متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے
ہیں۔

[1] اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ ہیں۔
[2] مرتب کردہ و شائع کردہ چرنجی لال مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی۔

منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد مادرِ مومناںؒ که که خادمہ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما، بود، مصلیٰ وعصائے شیخ جمال الدین که از شیخ شیوخ العالم یافتہ بود، مولانا برہان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین که پدر شیخ قطب الدین منور بود، در عالم صغر بود، بخدمت شیخ شیوخ العالم برد، شیخ شیوخ العالم بہ مرحمت مولانا برہان الدین مذکور التعظیم وتکریم نمود وبہ شرف ارادت وبیعت خود مشرف گردانید. چند روز بر خود داشت و بوقت مراجعت خلافت نامہ وآں مصلیٰ وعصا بدنعمتے که مولانا شیخ جمال الدین رواں کردہ بود، بہ مولانا برہان الدین صوفی بخشید و فرمود چنانچہ جمال الدین از جہت ما مجاز بود تو ہم مجازی واِیں ہم فرمود باید کہ چند گہے در صحبتِ نظام الدین باشی یعنی سلطان المشائخ دریں محل مادرِ مومنان بخدمت شیخ شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان ہندی کہ "خوجا بالا ہے" یعنی خورد است ایں

۹ہ شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیبؒ حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ محض اُنؒ کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے عرائض حضرت شیخ شکر گنج کے پاس لے جایا کرتی تھی. حضرت گنج شکر انہیں "مادرِ مومنان" فرماتے تھے. اسی وقت سے یہ لقب ان کا پڑ گیا۔

۱۰ہ حضرت شیخ شکر گنج قدس سرالعزیز سے مراد ہے۔

بار گراں را طاقت نتواند آورد۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز
فرمود بزبان ہندی "پونوں کا چاند کھی بالا ہے" یعنے
شب ماہ چہار دہم در اول شب خوردی باشد کہ بتدریج
بہ کمال می رسد"[1]

اس کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور واقعہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

شیخ علی صابر ساکن قصبہ ڈیگری ایک بزرگ درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازتِ بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولتِ خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے اور مخصوص وصیتیں کر رہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے۔ اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا "اے صابر پرو بھوگہا خواہی کرد" یعنی تراعیش خوش خواہد گزشت[2]

بہات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا جاتا ہے۔

اسا کیری یہی سو ریت   جاؤں تائے کہ جاؤں میت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی:-

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

---

[1] سیر الاولیا صفحہ ۱۸۲ ۔ (۲) سیر الاولیا صفحہ ۱۸۵

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑ داڑھی سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے[1] سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوشہ گیری میں گر خدا ملتا
گوش چویاں (چوہا) کوئی نہ واصل تھا

عشق کا رموز نیارا ہے — جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوئے محمد عمیم صاحب ڈسنوی بہاری کا ایک خط مجھے موصول ہوا، جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح ڈیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہو گئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید گنج شکر کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی :-

وقتِ سحر وقت مناجات ہے — خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا — خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن[2] تنہا چہ روی زیر زمیں — نیک عمل کن کہ وہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو — ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جھولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر اس کے لکھتا ہوں :-

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں،
اٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ داو کو چھوڑ کے چلنا نہیں

---

[1] بکرے [2] لگانے [3] اصل مسودے میں کاتب نے باتن کو باطن اور زیر کو زیں لکھ دیا ہے۔

پاک رکھ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں لازوالی دولت کوں پاوتا ہے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۱۱۷۳ء/۵۶۹ھ اور سنہ وفات ۱۲۶۵ء/۶۶۴ھ ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا۔

شیخ حمید الدین ناگوری

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری ولادت ۱۱۹۳ء/۵۹۰ھ اور سنہ وفات ۱۲۷۴ء/۶۷۳ھ کا ایک واقعہ خود ان کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے :-

"شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری) فرمودند اگرچہ جدۂ شما سبب بیان می کنند لیکن ہمہ از کرامت است۔ نقلے پیش ایشاں می گزشتم خورد بودم و ایشاں بر کھٹ بودند ہمیں کہ نزدیک ایشاں رفتم دست بگرفتند و بزبان ہندی گفتند می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی۔ چگونہ، گفت از جد تو ہیچ کس بجز پیغمبرش بزرگ نیست "[1]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی ہندی بول چال کا رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس لئے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے۔

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زبان جسے ہندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھ مدت قبل تک ہندی کہلاتی رہی ہے اور اب اردو کے نام سے موسوم ہے کس طرح ہمارے ملک میں اندر باہر چھائی ہوئی تھی۔

---

[1]: سرور الصدور صفحہ (۲۲۰)

شیخ شرف الدین بوعلی قلندر

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی (وفات سنہ ۱۳۲۳ء/ ۷۲۴ھ) بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاؤالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لئے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بوعلی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ علاؤالدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے حضرت نے فرمایا "تو کا کچھ سمجھ دا ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لئے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا۔

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ہجری ساتویں صدی بہ عہد محمد تغلق شاہ و علاؤالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا۔ اس کی وجہ سے جو حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خاں صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا، کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الہٰی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو سلطان الاولیا شیخ نظام الدین (ولادت، سنہ ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء وفات ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحب دل اور صاحبِ ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انھوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاہوں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ہوں اور اس معاملے میں سختی سے بھی پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبّار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ آپ سماع کے بہت شائق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے۔ ہندستان کے اکثر اولیا اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاء الدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں۔ امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا۔ وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے۔ اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے۔ افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑیے سنوارئیے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے

اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔
ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے چھ شعر یہ ہیں۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک ازدل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سنا دے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہلیاں انملیاں اور کہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں (چراغ)

دس ناری ایک ہی نر
بستی باہر اس کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان تاریخ فرشتہ میں منقول ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان

معروف بہ اخی سراج وفات ۷۵۸ھ/۱۳۵۶ء جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجہ
نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ بعد وفات سلطان اولیا بنگالہ سے دہلی آئے
اور حضرت چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ بنگالہ جاؤ
انھوں نے کہا وہاں پہلے سے شیخ علاؤالدین تل موجود ہیں اور مرجع خلائق
ہیں۔ وہاں میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے
فرمایا "تم اوپر وہ تل"

<u>شیخ شرف الدین یحییٰ منیری</u> اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل
شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہیں۔ ولادت سنہ ۶۶۲ھ/۱۲۶۳ء وفات سنہ ۷۸۲ھ/۱۳۷۰ء
منیر بہار کا ایک قصبہ ہے اور اسی سے منسوب ہیں۔ پوربی اور ہندی بھاشا کے
شاعر تھے۔ اب تک ان کے بتائے ہوئے منتر سانپ، بچھو اور سایہ کے اتارنے
اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لئے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں اُن کی دُہائی
ہوتی ہے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی
بیاض سے ایک نسخہ مندرہ نقل کیا ہے۔ میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا
سانپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے۔ **اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم** کی
عبارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دہائی ہے۔ ان منتروں اور نسخہ مندروں
سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ اس میں
دو دوہرے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں۔ وہ یہ ہیں:

کالا ہنسا نہ ملا بسے سمندر تیر
پنکھ پسارے بکھ ہرے نرمل کرے سریر

درد رہے نہ پیڑ

شرف حرف مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہو جائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیا کا فیض ہندستان میں دور دور پہنچا ہے۔ حضرت شاہ برہان الدین (وفات سنہ ۱۳۳۷ء/۷۳۸ھ) جو برہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفار میں سے ہیں۔ جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندستان کا دار السلطنت بنایا اور ساری دلّی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطان جی کے بہت سے خلفا اور مرید دولت آباد آئے۔ دکن کی خلافت شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتخب الدین کو عطا ہوئی یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت سید علاؤ الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میری پیر زادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں سرگرم رہنا،، اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا فرید شکر گنج کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بیوی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ایک بار جو آپ حسب معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھ کر متبسم ہوئے۔ بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا :-

"اے برہان الدین! ساڈی دھیہ کہ کہیا ہنسدا ہے،، یعنی اے برہان الدین! تو ہماری لڑکی کو دیکھ کر کیوں ہنستا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت گیسو دراز بندہ نواز سلطان جی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعے سے بھی پہنچا ہے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔ سلطان جی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش "گنج معانی" کہا کرتے تھے۔ انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدہلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ہجری) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب سنہ ۱۳۹۸ء/ ۸۰۱ھ میں گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دکن روانہ ہوئے تو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بہت سے مرید ان کے ہمراہ ہو لئے اور اس قافلے کے ساتھ سنہ ۸۱۵ ہجری میں حوالی حسن آباد گلبرگہ میں فائز ہوئے۔ وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امرائے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لئے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خان خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سرزمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لئے ہندی زبان میں

تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی زبان یعنی قدیم اردو میں ہیں، اس خاندان کے کسی معتقد نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کئے ہیں۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لئے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپیس اپیں دیکھاونے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے، یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لئے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے۔ ان کا ایک رسالہ "معراج العاشقین" میں مرتب کر کے شائع کر چکا ہوں۔ اس کا سنہ کتابت ۹۰۲ ہجری ہے۔ اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے۔

اے عزیز! اللہ بندہ بنا یہاں پچھان کو
جانا، نین تو شہرع جاتا ہے اول اپنی
پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا

انسان کے بوجھنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پیلا تن واجب الوجود، مقام اس کا

شیطانی نفس اس کا امارہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یعنے واجب کی آنکھ سوں غیر
نہ دیکھنا سو حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو حسد نک سوں
بد بوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کینا
کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض
پہچان کوں دوا دینا۔''

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان
میں ہیں، تلاوت الوجود، دُرالاسرار، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسایل وغیرہ۔
اگرچہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انھیں کی تصنیف ہیں
یا ان سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۰۸ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان
کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے۔ جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا
کہ انھیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انھیں کا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سار توں
ہوے نرم نہ تجھ اور چڑھے پس کہائے گا آزار توں
پیچ گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہور ہے
تن لوٹنے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بر کھار توں
گھوڑے کوں بھیتر گھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہور ہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کرد مکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چار اکھلا ایمان کا رکھ باندا پنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگ معرفت اختیار توں

دوہے رکاباں نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھ ہو پڑے گا دیکھ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آئے گا تجھ لامکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خود مار لے تروار توں
شہباز حسینی کھوئے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
اللہ آپے یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے۔

حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم

سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید ناصر الدین ابن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۱۳۸۸ء / ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۴۴۶ء / ۸۵۰ھ میں وفات پا گئے۔ دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ سید راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ہوئے۔ دو سال بعد سنہ ۱۴۰۰ء / ۸۰۲ھ میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آ گئے۔ سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آ گئے۔ بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا۔ اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لئے اٹھے۔ صحن میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس سے ٹھوکر لگی۔ پانو میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا "لوہا ہے کہ لکڑی ہے۔

کہ پتھر ہے"[1]

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ جب آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈھ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوئے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی محمود خوش ہوا ساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا اسانڈے گھر جلال جہانیاں آیا"[2]

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرۂ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں۔

"محمد نرمیں کھڑیا سائیں پریم چکھائے"

(جمعات شاہیہ)

حضرت سراج الدین ابو البرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک کتاب میں جمع کئے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے۔ اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا۔

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است اما موافق عربی است۔

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھ دیوانگی سی سوار تھی جو کوئی کچھ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا۔ کسی

[1] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷ [2] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۸۔

سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے، کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کسی سے کچھ کسی سے کچھ۔ فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ بات میرے دل میں ڈالی۔

" ابے چھوکرا، بے ادبی بگزار و گستاخی مکن۔ "[1]

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا ہے کہ سقایہ میں خدا کا نام نہیں لینا چاہیئے میں نے آہستہ سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا۔ بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اترتا۔ گھوڑا بیچارہ کیا کرے۔

اتیو بدو بر بھویا کیس اکھارے
ہوں لاج مردں بیگ نیارو نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھڑبہل میں سوار جارہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی ہمرکاب تھے۔ سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور سلام آداب کچھ نہ کیا میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے ہندی زبان میں ارشاد کیا۔

ارجن جی کا ادنہ بھایا ہوئے تو تجھ سے فیقروں کی برسوں
تین کتاسی کرے[1]

ایک روز سید محمد راجو قتال کے مناقب کا ذکر آیا یہ سید الاقطاب مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے۔ ان کی والدہ کا نام جنت خاتون تھا۔ حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان آچہ میں فرمایا۔

---

[1] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۴۴

"تساں راجے ۔ اساں خواجے "
یعنے
تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری[1] حضرت سید محمد جون پوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرف گزرے ہیں ۔ ان کے مرید اور پیرو انھیں "مہدی آخرالزماں" مانتے ہیں ۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں ۔ ان میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔ باوجود علم و فضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے ۔

(۱) شیخ احمد کھٹو[a] کی نسبت آپ نے فرمایا " روپیٹے خدا کوں پونچے ۔ " (یعنی بہ گریہ و زاری خدا رسید) از تاریخ سلیمانی جلد اول)

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی ۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا " شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ "

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا ۔

---

[a] احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں ۔ سنہ ۸۴۹ ھ میں بہ عہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آئے سنہ ۸۴۹ ہجری میں انتقال فرمایا موضع کھٹو میں مدفون ہیں (تحفۃ الکرام صفحہ ۲۲ ، مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰) ۔

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار
ہوں ہیرجن سہراساجن مجھ گل ہار

(از شواہدالولایت)

(۴) رحلت سے کچھ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا:۔
ہیر دتت[1] پکھال توں کان پر دھوے مدھوے
اد جھل ہوویں پچھوت سی سکھ نندری نا سوے

یہی دوہرہ بیدر میں قاضی علاؤالدین بیدری کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ (شواہدالولایت)

(۵) (۶) ذیل کے دو دوہرے مجھے اسرارعشق تصنیف مومن ۱۰۸۰ھ/۱۶۹۱ء کے ایک قدیم نسخے میں ملے ہیں جس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

"این کتاب مسمی با اسرارعشق محض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد مہدی موعود است وسوائے ایں حرف نیست نقل ایست کہ مہدی علیہ السلام فرمود" تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت کا صفت کرتے بیچ ہوا۔ ہمارے ملانے دو گوجری دھیان میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کئے:۔

دوہرہ

چندر کہے تایں[2] کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بیٹھے دشت پاپ چھڑ جائے

دوہرہ دیگر

---

[1] رہراتت، [2] نسخہ، ترامن۔

تو روپ دیکھ جگ موہیا چند ترائیؒ بھان
انھیں روپ بہن ہوؤں کو وہی نہ ہوئے آن

ایں تمام کتاب شرح و تفسیر ہیں دو دوہرا ہا است۔"

آپ کی ولادت سنہ ۱۴۴۴ء/ ۸۴۷ھ اور وفات ۱۵۰۴ء / ۹۱۰ھ میں بہ مقام فراح (بلوچستان) واقع ہوئی وہیں مدفون ہوئے۔

شیخ بہاء الدین باجن شیخ بہاء الدین باجن (ولادت سنہ ۱۳۸۸ء/۷۹۰ھ وفات سنہ ۱۵۰۶ء/ ۹۱۲ھ) برہان پور کے اولیا اللہ میں سے ہیں۔ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی ایک کتاب "خزانۂ رحمت" ہے جس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں بقول صاحب تاریخ برہان پور:۔

"اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے"

از آنجملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں۔

یوں باجن باجے رےؒ اسرار چھاجے
منڈل من میں د ھمکے رباب زنگ میں، جھمکے
صوفی ان پر، ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں۔ ان میں دو ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

لہ (نسخہ) ترا من

یہ نتنی کیا کسی سے ملتی ہے   جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلائے   آن چھوہری بہتی کمائے
آن رو کر بہت رلائے
یہ نتنی کیا کسی سے ملتی ہے   جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
یا جن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

روزے دھر دھر نماز گزاری دینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھوٹک نا ہیں آگیں مکھ میں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوہی

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ولادت سنہ ۱۴۵۵ء/۸۶۰ھ وفات ۱۵۳۸ء/۹۴۵ھ) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ وہ ہندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف "رشدنامہ" ہے جس میں تصوف اور وحدت وجود کے نکات بیان کئے ہیں۔ اس میں جگہ جگہ ہندی دوہرے اپنی تصنیف کے لکھے ہیں۔ اس میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔

یہ جگ نا ہیں باج پی بوجھ برہم گیان
سو پانی سو بلبلا سوئی سرور جان
ایکی اوہو ایکی ماس ایکی سرور ایکی ہانس
گرمکھ بوجھ برہم گیان تیں تر لوک ایکے جان

دھن کارن پی آپ سنوارا | بن دھن سکھی کنت کنہارا
شہ پھلے دھن ماہیں ایواں | باس پھول مہنن اچھے جیواں
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ پیتا | مجھ کارن تیں اِتیا کیتا
الکھ داس آکھے سُن ہوئی | سوئی پاک ارتہ بہن ہوئی

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں ہو رنگوے
دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپیں سوے

ایک شعر ریختہ کے نام سے بھی لکھا ہے :-

صدق رہبر صبر توشہ دشت منزل دل رفیق
ست نگری دھرم راجا جوگ مارگ

دوسرے مصرع کا مطلب ۔ صدق و راستی شہر ہے ، اچھے کام حاکم ، زہد و تقویٰ (ترک دنیا راستہ ہے ۔)

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے ، شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن کے تھے ۔ مگر فیض روحانی انھیں شاہ محمد غوث ہی سے حاصل ہوا ۔ مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے) کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقائق سکھایا اور باوجودیکہ انھوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کئے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ

ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہ ہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہوگئی۔

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ہندی قول سید ہاشم کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔

"بھیگی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا۔ ان کے بعض اور اقوال اور ہندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ہیں۔

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰/۱۵۶۲ء میں آگرے میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی۔

شیخ وجیہ الدین احمد علوی شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہٗ بہت بڑے عالم اور صاحبِ باطن ہوئے ہیں۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ سنہ ۹۱۰/۱۵۰۴ء میں محمد آباد (چانپانیر) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۹۸/۱۵۸۹ء میں انتقال فرمایا۔ آخر عمر میں احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے۔ اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی۔ آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں جس کا نام بحرالحقایق ہے۔ اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں۔ شیخ کے مرید اُن سے سوال کرتے ہیں۔ اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی میں تحریر کئے ہیں۔ یہاں چند مقام نقل کئے جاتے ہیں:-

لفظ ، فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اسے ترک نہ دیوے" یعنی در آں چیزیکہ صوفی ذوق و شوق یابد آں را ترک نہ دہد۔ شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند؟ ازو اعراض نمودہ فرمودند "بھونڈا ہووے سونا کرے"

لفظ ، عزیزے عرض کرد۔ بخانہ دنیا داراں نروم فرمودند۔
"کاہے دنیا دار بھی لیپیچ" یعنی اہل دنیا نیز از ما اند
لفظ ، می فرمودند۔ طالب کشف نباید شد۔
"اپنوں کوں کیا کشف ہوئے یا نہووے کام اس کا ہے"
در حکایت کردن فرمودند "کیا ہوا جو بھوکوں موا۔ بھوکوں موے تیں کیا خداکوں ہیپڑیا، خدا کوا پیڑنے کی استعداد ہور"
لفظ ، کسے از ریاضت عرض کرد ، فرمودند "میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی"
لفظ ، فرمودند "جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے"

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین اکبر و جہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں۔ ہندستان کے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوئے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے ان کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاؤالدین ثانی سے نقل کیا ہے۔ وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

ان نینن کا یہی بسکہ
ہوں تجھ دیکھوں توں منہ دیکھ

خواجہ خضر کے حق میں کہاہے :-

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ نہم
ندی تیر درم بہاری بھیر پھرت مرھت ہوتیاں تیاری رم رم
رحم کیجے کرپا تھیں دیجے کا کہوں نرادری سم
تم کھواجے[1] کھدرو[2] سے مہتر الیاس رہ ددرپاس یا جگت الگم[3]

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی نصراللہ کے بیٹے تھے۔ شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے آپ نے سنہ ۱۰۵۹ھ ۱۶۴۹ء میں انتقال فرمایا، آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردئے ہیں جس کا نام انھوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے۔ اس میں جابجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال وابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انھوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سن کر قلم بند کی ہیں، ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

نکتہ :-

ہاشم جی چھولال[4] لہسر پیویں وحدت کے بحر
ہوویں متوالے سحر دنی[5] جوں قاتل زہر

---

[1] خواجہ [2] خضر
[3] جو نہ مل سکے [4] موجیں [5] دنیا

سید شاہ ہاشم اپنے چچازاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت و ارادت حاضر ہوئے۔ میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو آپ نے کہا میں تو خدمت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے :-

ہنس ہنس پینے کہیانا نہاں
دیون تجی سب جے منج ما نہاں
میں بی نم تم[1] سر کو لیتا
کیوں نہ لیو جو دیوے میتا
پانچ شغل مکھ آکھیں سائیں
جیوں لے کہوں ہوں چلن تو ایہیں
شغل تکفینا کہیا پیو
نہا بڑا ایک جا نے جیو
جیہا لوڑے آپس توں
تیہا لوڑے سارو ں توں

---

[1] جھکانا

تن منھ اپنی صورت دیکھ
آپس کتیں کوئی جوا نلیکھ
شغل الٰہی کی حد جان
بی بی بولو جیو نہ آن
یالو بی تن مت اکھرائے
ہاشم جی پیو یوں سمجھائے
تھی دوشنبہ کیری رات
شاہ عبداللہ آکھی بات

نکتہ :-

اے دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے
گھیو شہد پر دوڑ اسے گھوڑے
ڈوبتے بہت نکلتے تھوڑے

نکتہ :-

نا منج زن نا منج فرزند
نا منج بھائی نا منج بند
ہاشمی پیو سوں سند[۱]

نکتہ : پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو کھوئیں وہ

---

۱ ملنا

ہاشمی جیٹھے مد متاتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

نکتہ :۔

اِنمّا الاعمال با النیّات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
نولاییاں[1] کھیلوں شہ کے سات

جکری :۔

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا الجا جیو
بادر کوپ گھٹا کر آوے
تل دھارن[3] کیچی کھڑی کھجاوے
مور چکارے سبے بن ماتی
پسو پنچی[2] سب تیرے راتی
کئی کئی کہا تو بجاؤ دکھاتے
کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا الجا جیو
بیر بہوٹی رنگ، رت میرے
بھو پیا گھر آؤ سویرے

---

[1] رنگ ریاں [3] ذرا
[2] پنچھی [4] سرخ رنگ

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دن کا اُلجا جیو
نین ہمارے نس دن رو دے
میت بنا کھو کیوں جنم کھو دے
ہاشم جی سک ہووے تب مکھ تیا جو دے
کہیو ہو چک مورے پیو
بھوت دن کا الجا جیو

چکری:-

جائے کہو یک تل آئے پیا سکتا جیو دھکتا ہیا
لا الٰہ نفی الا اللہ اثبات محمد برحق بلا میم احمد ذات
جائے کہو ....
نفی کل ہوا مانوں تو کل اثبات ہووے جو
ہاشمی رخسار پھڑکتے علوی دھڑکتا ہے جیو
اب آنے کی ہے بدھائے پیو جائے کہو ....

نکتہ

یہی حجت ہے بس ہموں کوں
جب یہیں لیا سب منھ توں توں
پیر باطن یہیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیایا
ہوا یکا یک آپ دکھایا

اکھیں راز پیا کا بوجھا
تن من منہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں مانہاں
ایک الف ہو آیا نانہاں
کرنا بھاؤ سو ٹھاٹھیں ٹھانہاں
نوں کھیں نور ظہور ہو آیا پنج حرفوں ٹکا لیا پایا
کر کر ٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر بہت بڑا تھا۔ وہ سب ہندی جانتے تھے چنانچہ اس بیان کی تصدیق میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو ان کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں پیش کی گئی ہیں۔ ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور، بعض ایسی ہندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے اب میں ان بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں، لیکن ان کی تصانیف (اگر درحقیقت کچھ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اہل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا مستقل اور مسلسل کلام دستیاب ہو چکا ہے اور میرے پاس موجود ہے۔

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا۔ اگر کبھی ان کا ہندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حقیقت معلوم ہوگی۔ فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں بیاضوں میں یا جو لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ اس کے چند نمونے نقل کر دیے گئے ہیں۔ خسرو کے فارسی کلام میں بھی ہندی الفاظ جابجا استعمال ہوئے ہیں جنھیں وہ بڑے سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اسی طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمے کا پیوند لگایا ہے بعینہ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی کو ملایا ہے اور حضرت امیر کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ، اردو یا ہندستانی کے نام سے موسوم ہوئی۔

ان کی جو چیزیں ہمیں زبانی پہنچی ہیں ان کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں۔ ہماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ہیں جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو ان سے منسوب کر دی گئی ہیں لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی بھی کسر رہ گئی ہے تو ان کی چوری پکڑی گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع

وترکیب اور زبان کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں۔ یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے۔ تحریری کلام بھی تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا کیا سعدی کی گلستاں بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی کا شاہنامہ بعینہٖ وہی ہے جس کے لئے اس نے تیس سال خون جگر کھایا تھا؟

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اسے منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں جن کا سنہ وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲/۱۴۹۶ ھ نکلتا ہے۔ آپ مکے میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں بعد ہندستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال الدین کو شاہ جلال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے۔ حضرت گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے اور ان کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن ان کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ ان کے سلسلے میں اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ دہلی سے لائے تھے کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ ایک شخص جو مکے میں پیدا ہوتا ہے ہند میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسی میں لکھتا پڑھتا اور اسی میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنے حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکے سے مدینے شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال روضۂ مبارک کے قریب رہے۔ ایک روز شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہندستان جانے کے لئے

ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ میں ہندستان کی زبان سے ناواقف ہوں۔ آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد"، اور یہی ہوا۔ ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس وقت ہندستان کی عام زبان یہی تھی اور دو آبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا۔ شاہ میراں جی بڑے با برکت بزرگ تھے۔ انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کر دیا ہے۔ وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میراں جی کے کئی رسالے ہیں اس قلمی مجموعے کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس

طرح ذکر کرتے ہیں کہ ان کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں :۔

اس کمالیت کا سنگ — اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال — تو ہوئے پیر کمال
کچھ تھے نیسب میرے — پگ دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم ان کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے۔ بحر صاف اور ہندی ہے۔ حمد میں کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم تو سبحان
یہ سب عالم تیرا — رزاق سبھوں کیرا
سبھی بن اور نکوئے — تا خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم — تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاؤں — اور تیرا نام لیوں
تجھ نرتا کون جانے — اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار — کس موکھوں کروں اچار[1]
جو تیرا امر جانے — اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ہیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ہیں لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں، ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی، ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔ ظاہر پر نہ جانا چاہیئے باطن کو دیکھنا چاہیئے زبان کوئی بھی ہو معنوں پر

[1] بیان

خیال کرنا چاہئے۔ جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو۔ وہ اسے گر بھاگا کہتے ہیں۔ یعنی وہ زبان جو گھوڑے پر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اس کی کیا قدر و منزلت تھی لیکن ساتھ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ لو کہ گھوڑے پر بارش ہوئی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا یہ زبان گویا گھوڑے کا ہیرا ہے، کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سمجھ کر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے   اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب   اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی   پن اس کا بھاوت کھولی
یو گر کمہ پند پایا   تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے   اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے   نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت   سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بولی   پن معنی ہے پنتول
کرلڈے پن سورس   پھل پاکے جوں پھنس
نادیکھیتے بوہا لیکھو   لے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاکے   تو کیوں من اس تھے بھاگے
تیتوں اس میں ارت تیچ   سب قرآن کرے نیچ

وہ مغز معنے لیو
سب چھال چھوڑ دیو

یا وہ دیکھے چھارا[1] اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ہان وہ راکھے سیٹ آن
یہ چھان سناّ لیوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماٹی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بھادے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ
ہے کڑداں کیرا ہیرا گھور اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجان بھاگون پاوے تو کیوں نالیہ اچاوے
گھر بھاکا چھوڑ دیکھئے چن معنی مانگ[2] لیجے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اس نام ہے تحقیق سن شہادۃ التحقیق
اس کا معنی دریا جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ہیروں کیری کھان تاموں تیوں کیری دان
جے غواص پودہ سیوے تو سالم سودھا لیوے
جے ہوئے گا مچھارا
کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں اور یہ سب سوال وجواب کے طرز میں سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

---

[1] کھار [2] موتی

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر (۱۷۰) دوہے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سَو ستر

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کرکے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالمِ آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا۔ مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیزہ ہے جس کے لیے یہ نظم لکھی ہے۔ اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے، دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے۔ اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے مہینؤ نہ ملہدی کا پایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھوڑ رہیا سہا دا
اب کیوں سر سہا دے دو جا تم کو ناہیں کھٹادا
اس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اس کی باسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ کی آنی

ایسی باتیں کرے گنونتی مورکھ بوجھیں شدھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سو ہی سکھا دیں بودھ

جب لوگ اسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آکھیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھاوے تیوں
نا ہم اچھیں سو کہ سنسارا نا ہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سے جے ہے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
پُن پاپ مٹ دیکھے اب شہ سوں میلا ہوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے برے پیر کا امتیاز بیان کیا ہے۔

پیر وہی جو پریم لگا دے نور نشانی عین
منزہ کی شدھ لکھا وے جہاں دیس نہ رین
جس مارگ کتیں جیو سنچرے[1] سو ہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو، مارگ تن کا یہن بچیار
کریں جبھیں وہ تیرت پٹن لوگ اچھا میں دھیان
پانچوں چیز ریاسوں راکھیں کیون کر دیکھے مان

---

[1] چلے

چندر سور کی ارتہ دکھاویں کریں اچھا جب
ذاکر ہومن دم چلادیں یہ بھی دھیان البتہ[1]
لونجت موندت پھریں پھوکٹ ترت کریں یا جج
تھان دیکھ جسے دیویں مان وہ بھی مورکھ نلج

جن کو شہوت کیرا ہاوا ان کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطیں دے تو نا آویں گے حق ڈھیر
سُوَر کے گل باندھیا مشک وہ کیا اس کو جانے
اس کے تائیں سُر جیا وہ سو ہی پچھان مانے
یا گدھڑے[2] پر قرآن لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ موکر اپنا کھول

غرض اس طرح پیروں کے صفات اوران کے کرتوتوں کا ذکر[3] برابر چلا جاتا ہے۔ آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی ہے کہ میرے حال پر تو جہ کیجئے۔ مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں، میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے۔ وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اس سے مناجات کرتی ہے۔

منج نا لوڑے اواں نعمت چھوپ بر میل[3] پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان

---

[1] ٹھوڑا [2] گدھا [3] خوشبو

ناںئج لوڑے پاٹ پتمبر نہ زر زری سنگار
پھاٹی ٹوٹی کمبلی نیکی کلمہ جپن ہار
ناںئج لوڑے پلنگ نہالی صوفے ماڑی باغ
حسرت راکھ جیونا مرنا یہ توں کسل[لہ] داغ
جے نہ سمایا دھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنکھو ڈالے کبھو نہ پایا ذوق

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سب کی جان سجان تو نہیں دے جے جے جیکے من
ایکس ماٹی مولی دیوے ایکس ماٹی باج
کیتوں بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج
کیتوں پاٹ پتمبر دیتا کیتوں سر کی لایا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا
کیتے گیان بھگت، بیراگی کیتے مورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار

لہ نا پاک، ذلیل

ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر پانی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت بنایا
آسماں سور چندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھتے ہی قدرت کوں زورا تجھتے نور نورانا
تجھتے سب کا سبھی پنا تج بن سب ہیں بیگانا
تج بن کوئی نہ مار جوائے، تج بن کوئی نہ آس پوراوے
عالم اوپر پایا پہنا، کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اچاوے، دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بیکاری تخت بٹھاوے، راجے راکھی گرد ملاوے
نہندیا نکو کرے دیوانے، سو کھیا نکو لیہ دوکھ میں بہانے
کر کر بندگی جرم گنواوے، پھر پڑ تج عجب کیا رانجے
میں اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں
جہاں جہاں میں چھپن اوڑوں تو ہی تہاں تہاں
اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈر دکھ کو کہاں لگ ڈروں
ہیں غریب بنائے تیرے، آس تجھے آسا دھروں
ماتا جے بالک تجے روسی جاتا اکھیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی میراں میں جاؤں تدھر

تو رحمان رحیماں میرا مہر محبت کھسم یا
میں تو باندی بردا تیری تیں مجھ ہاتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلگوں سکتے فریاد
تین بھی میرا لاڑ چلایا کبھو نہ ہوا اداس
آپ سندیسا توڑ گسائیں تیری منجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوشخبری دیتا ہے، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں. خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے، یہ نظم بڑی پر کیف اور دل گداز ہے. اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ہے وہ بہت پر اثر ہے.

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ہے خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی خوش نغز ہے۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں عرفان نفس، روح، مراقبہ، عقل وعشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں۔

جے ہماری ارادت کی ان کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام

اس پر جیتا رہے صدق سوں اوتا اچھے لاب
دین ، دنیا، دیدار، بہشتاں پاوے بےحساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے ۔ نمونے کے لئے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

خوش پوچھے کی کہو میراں جی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے
خوش کہے مج کہو میراںجی عشق کڑا ایا بودہ
پیر کہیں میں آکہوں بیان اس میں دھرنا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میراںجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے ۔ اس میں دس باب ہیں جن میں تو بہ طریقت ،حقیقت،شریعت ، وضو ، دنیا ، ترک دنیا ، تجرید و تفرید ،عشق معشوق ، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ہے ۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ پہلے قرآن کی آیت ہو مگر وہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہیں ۔ دو تین نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

"کل امرذی بال لم یبدء بہ بسم اللہ فہوا بتر"
پیغمبر ~~نے کہے جیسے~~ کہے، کام کرے گا کوئی خدا کا ناؤں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوئے گا ۔

"الحمد للہ رب العالمین"
سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ اد پالنہارا ہے عالم کا
"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا، کہیا ہے، ایس کوں بھلنے ڈگال کو ہور پرہیزگاراں کوں۔ نہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ہے، انو کیا توں رہ کر انو تھے بوج، انو تھے توں سن ہور چپ نکواچہ اس چار یاتاں کا پند ہے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھ کہ طریقت شریعت منج ہے''

خدا کہیا ''تحقیق مال اور نیگرڑے[1] تمھارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھے تجھے لیسرا کر''

شاہ میراں جی کا خاندان بھی عجب بابرکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑپوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

شاہ برہان الدین جانم

شاہ برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن ان کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء بتایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس ان کے کلام کا بہت بڑا [redacted] ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میراں جی کے لگ بھگ ہے۔ مگر اس سے کسی قدر صاف ہے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہے میں اس موقع پر ان کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا، البتہ ان کے کلام کے چند نمونے

---

[1] اولاد بال بچے

پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہو سکے۔

حمد میں :-

سکتا، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کہیا یہدی من یشا
یہ روپ پرگٹ آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سوجھے پنت

(از وصیت الہادی)

اللہ پاک منزہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار — سنتا دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات — اس کوں ناہیں کد ممات

ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات،
جوں کہ چند نا چاند سنگات

(از قسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام — عشق کے آکہیں کیا ہے قیام
عشق تھا سب پھر پاس — عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھ — معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑیا بار — جو کے بیج تھے نکیا جھاڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول — شاخ برگ سب دیکھ اصول
ایک جمع کر راکھیں بار — بیج پنے کا ناہیں سار

ایکے بچیں نیج اپار ندیج پنچے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ حقیم یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوئے جیسا تیسا سمجھا ہوئے

(از منفعت الایمان)

گن آدم کا نہ ہاتھ چڑھے رہے کیوں کھنا انسان
صورت پر اعتبار نراکیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھے گمراہ کریوں قرآن میں فرمان
لوکاں یہ مت پکھ الادی[1] جن بوجھ بختون لادھی
پنتہ اکاس کا دیکھم[2] جانے جل کا مارگ مین[3]
نسادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین[4]
ایسا سادھو کھاگوں نہیں تو چرنا رہنا لین
لوکاں یہ مت پکھ الادی جن بوجھ بختوں لادھی

(از سکھ سہیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوہے بھی لکھے ہیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ہے ایک ایک مثال اس کی یہاں لکھی جاتی ہے۔

خیال

اب سندیسہ مجھ ہے شہ کا جب کب کھاگوں انترلے -

---

[1] علیحدہ [2] پرندہ [3] مچھلی [4] پہچان

پیر پیرم کے بیڑے میرے　　نینوں مانہہ جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری　　نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکیں میری آگ بلے کیوں　　سپنے دیکھوں سو کھڑے
قول پیا تجھ آس لگی من　　آس لگی تجھ پاس رہن
جب کا جھانسا تیں مجھ لایا　　یک تل نہ مجھے سانس رہیں
نہ کا بینا مجہ کوں لاگا　　لوگ دیوانی دیکھ ہنیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوئے　　کہو سرجن کہاں بسیں

دُہرا ۔

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ہونا نور
جب لگ سپنا نہیں چھوڑیا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ہو نرال
یوں سب تن میں بر تن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دونوں یک کرسی تو پاوے سہج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا　　آپیں ایک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سٹ چیلے نپایا　　نیکی بدی کے دو مدرے بجایا
کلمہ نبی کا پنتہ مارگ لایا　　تن کا کنتھا کر سب چلوں پہنایا
بندگی بھبوت کر نت اٹھ لایا
یقین جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا　　لجیا کچھوٹی دے بندے پاسا
اس تن کے مٹھ میں راول کا باسا　　دھرتری پتر بھر بھوجن کیتا

بادل پھوڑ دا کر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً

بن عشق بدھ کو سوج نہیں
اور بن بدھ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

ان کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا نثر میں ہے۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال وجواب کے طرز پر بیان کئے ہیں۔ شروع یوں کرتے ہیں:۔

"اللہ کرے سو ہوئے کہ قادر توانا سوئے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنہار ہیچ ہیچ سو تیر اٹھارو ہیچ ہوا بھی تو ج تھے بار۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں، دو چار شریک کوئی نہیں ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوئے۔"

اس کے بعد سوال وجواب شروع ہوتے ہیں مثال کے طور پر ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:۔

سوال:۔ "یہ تن الادھا دستا، ولیکن جیتا لکار لوٹتے

۱؎ علیحدہ ۲؎ ترغیب، تغیر۔

نہیں بلکہ ستنتر[1] بکار روپ دستا ہے تنک تل قرار نہیں
جیوں مرکٹ[2] روپ "

جواب :-

" اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں گزریا دباطن
کرتیب دستے ۔ اس کا ناؤں سوں ممکن الوجود۔ دوسرا
تن سو بھی کہ اس کا اندرین کا بکار[3] وجنیتا کرتھارا
سو وہی تن ، نہیں یو خاک و سوکھ دوکھ بھوگن ہارا
جیتا بکار روپ دہی دوسرا تن ، تو توں نظر کردیکھ
یہ تن فہم سوں گزریا تو گن اس کا کیوں رہے "

شاہ برہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں لکھنے کی معذرت کی ہے ، اس سے ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنی پہ خیال کرو۔ ہندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ۔ اگر سمندر کے موتی کسی ڈبرے یا جوہڑ میں ملیں تو عقلمند آدمی انھیں کیوں نہ لے فرماتے ہیں :-

عیب نہ راکھیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکلے موتی سمندر سات
ڈابرے لاگیں ہات

---

[1] قلب ماہیت [2] بندر [3] حرکت

کیوں نہ ہووے اس بھی کو سے
ہماناچتر جو کوئی ہو سے
ہیں سمند کے موتی لیو
گیان رتن کے جوتی دیو

. . . .

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گرو پرساد تھا مجھ گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات ۱۰۸۶ھ/ ۱۶۷۵ء میں ہوئی (ماہ تاریخ ختم ولی ہے) ان کے نظم ونثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدل دی ہے۔

قمرین نین تیرے ساحر ہو سے ہمن کوں
گمراہ کر بلاوے قوس و قزح بھوں کوں
پیچوں بھویاں زلف تج موجوں ڈبے بحر موریہ
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سرما نگ جو چھپی ہے
کا[1] ہے کشاں سماں پر محب بلاونے کوں

---

[1] کہکشاں

سیما عرش علامت کرسی مکٹ سہاوے
روشن شمع منور پروانے جانئے کوں

ایک دوسری نظم وجودیہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نفس کا دوڑنا ہی اس ٹھار
یو تو آہے نفس بچار
نفس کو لیا د تو دم کی جاگا
لائیں ذکر نہیں توجاوے بھاگا

آپ نے دوہے بھی لکھے ہیں، ایک دوہے میں کہتے ہیں :۔

مرنا ہار، جیونا بسار
جیونا ہار، مرنا بسار
سودہ سریجن کی دیکھ بچار
لال سریجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھ آپ گنواوے
من رانی حضرت قول بھاوے (وغیرہ)

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دوہے
بہت کم ہیں۔

ہبنی پرگٹ ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نور علی نور ہے
حقیقت حقایق ذات کمال ہے
صورت معنی ذو الجلال ہے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہے،

باقی دکنی اردو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اُسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں"

اُن کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے متعدد رسالے ہیں۔

سید میراں حسینی شاہ اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔ ازانجملہ ایک بزرگ سید میراں حسینی شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔ یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں۔ لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیان جی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں۔ جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کئے گئے۔ شاہ میراں حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے۔ میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ علاوہ چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اے عزیزاں! اے بات نہیں سنیاں۔
بادشاہاں گھوڑا مستعد کئے باج نہیں سوار
ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ کھوڑ اچھے تو
بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنی پیر کے عشق میں
پختا ہوئے باج خدا کے عشق میں نا آسک
سی ہور دیکہ نا سکسی۔ اگر عشق خالق نداری
بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا
کی پچھانت کا بل نہیں تو اول اپنی پچھانت
کر۔ سوا ے بات یوں ہے کہ آفتاب کا
ذات نواز نہارا ہے اور اس کا اجالا جالنہار
ہے یعنے دوست۔ سو نواز نہارا ہور خوبیاں
بہارا۔ ملے اس کا محبت اُسے دگدانا ہے
یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گالنا ہے اُس
کے فراق میں۔"

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

گجرات

اب میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ گجرات کا تعلق دہلی سے سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۷ ہجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقے پر تسلط کر لیا اور اپنی طرف سے صوبے دار مقرر کر دیا۔ یہ صوبیدار سلطنت دہلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے ـــــ یہاں تک کہ جب دہلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبے دار ظفر خاں کے بیٹے تاتار خاں نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ سنہ ۸۰۶ھ/۱۴۰۳ء شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا۔ غرض دہلی کا اثر اس علاقے پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا۔ اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف ان چند صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

قاضی محمود دریائی بیرپوری ایک ان میں سے قاضی محمود دریائی ہیں جن کا شمار گجرات کے بڑے اولیاء اللہ میں ہے۔ ان کے والد قاضی حمید

عرف شاہ چالندہ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان کے دادا قاضی محمد حضرت قطب العالم سے ارادت رکھتے تھے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور ولی تھے۔ بعض تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ قاضی محمود حضرت سلطان شاہ جیو فرزند حضرت محمود خلف حضرت قطب العالم کے مرید تھے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ اپنے والد ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قاضی محمود نے ایک شب یہ دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین یہ فرما رہے ہیں کہ تم مقام محبوبیت میں جو میرا درجہ ہے پہنچ گئے ہو۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے والد سے بیعت و خلافت حاصل کرلو۔ صبح کو یہ واقعہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے، مجھے بھی معلوم ہوچکا ہے۔ میری زندگی کے دن آخر ہوچکے ہیں۔ مرنے سے پہلے تمھیں مرید کروں گا۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ لیکن اس روایت کی ضرورت نہیں، ان کے کلام کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے جس میں قاضی صاحب نے اپنے والد کے مرید ہونے کا اقرار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

چاؤں چلندھا پیر میں پایا
ان محمود کوں میت ملایا
بہ قاضی محمد تن شاہ چالندھا محمود کرا پیر
قاضی محمد تن پیر ہمارا چالندھا بھاگوں لھیا رتے
قاضی محمد تن پیر ہمارا چالندھا مجھ پیارا
پیر ہمارا چالندھا ہوں اس بل جاؤں

اپنے والد کے وصال پر جو جکری لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں۔

قاضی محمدتن شاہ چالیندہ پیر لاگوں پائے

اپنے کلام میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر اور اپنی ارادت کا اظہار کیا ہے وہ ہر جگہ اپنے والد کو قاضی محمد کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یا تو چالندہ کا لفظ لاتے ہیں جو ان کے والد کا لقب تھا یا صرف شاہ چالندھا لکھتے ہیں :-

تذکروں میں ان کی بہت سی کراماتیں بھی لکھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کسی کی کشتی بھنور میں پھنس جاتی اور ڈوبنے کو ہوتی اور وہ قاضی صاحب کو یاد کرتا یا اُن کی دہائی دیتا تو بھنور سے نکل کر ساحل مراد پر پہنچ جاتا اسی وجہ سے ان کا لقب " دریائی " پڑگیا۔

اُن کا وطن بیر پور تھا۔ عالم جوانی میں احمد آباد آگئے تھے۔ اس کے بعد پھر ۹۲۰ھ میں بیر پور واپس چلے گئے۔ اور وہیں ۹۴۱ھ میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سماع کا بہت شوق تھا اور اس میں وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ان کا مشرب عشق و محبت تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ زبان ہندی ہے جس میں کہیں کہیں گجراتی اور فارسی۔ عربی لفظ بھی آجاتے ہیں۔ کلام کا طرز بھی ہندی ہے۔ چونکہ موسیقی کا خاص ذوق تھا اس لئے ہر نظم کی ابتدا میں راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیا ہے سارا کلام عاشقانہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی اخلاقی نظمیں بھی کہی ہیں نمونۂ کلام یہ ہے :-

محمود کیری بنتی صاحب اتنی مانیں نبی محمد کی دوستی راکھیں مکھ کا پانیں

نینوں کاجل مکھ تنبولا ناک موتی گل ہار
سیس نماؤں نیہہ اپاؤں اپنے پیر کروں جو ہار
(یعنے آنکھوں میں کاجل، منہ میں پان، ناک میں موتی، گلے میں ہار
اس سج دھج سے میں سر جھکاؤں، محبت کروں اور اپنے پیر کو آداب کروں)

کوئی بایلا مرم نہ بوجھے رے بات من کی کس نہ سوجھے رہے
دکھ جیو کا کس کہوں اللہ دکھ بھریا سب کوئی رے
نر دو کھی جگ میں کو نہیں میں پرکھی پھر پھر ہوئی رے
(یعنے اے اللہ میں اپنے جی کا دکھ کس سے کہوں، سب کوئی
دکھ بھرے ہیں۔ میں نے دنیا جہان میں پھر پھر کے دیکھا کوئی
ایسا نہ ملا جو دکھی نہ ہو)

جا ری پھوڑ سنور بنی کیسی اک تل آنکھ نہ لائی
(اے پھوڑ دور ہو، یہ تو کس لئے بنی سنوری ہے جبکہ تو نے
ایک لمحے کے لئے کسی سے آنکھ نہیں لگائی یعنی عاشق نہ ہوئی)
آج سریجن گھر آیا کیوں نہ کروں مہمانی

پانچوں وقت نماز گزاروں دائم پڑھوں قرآن
کھاؤ حلال بولو مکھ سانچ را کھو درست ایمان
چھوڑ جنجال جھوٹی سب مایا جی من ہووے گیان
کلمہ شہادت مکھ نسا روجس تھے چھوٹو ندھان

دین دُنی کی نعمت پاؤ جو جنت راکھو شانوں
محمود دکھنہ تجیس تل نہ بسارے اپنہ دھنی کا ناؤں

شاہ علی محمد جیو گام دھنی

شاہ علی محمد جیو گام دھنی کا مولد و منشا گجرات ہے آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۱۵۱۵ء/ ۹۷۳ ہجری میں ہوا۔
آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہے آپ کے دادا کے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور انداز میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی شعرا کا سا ہے اور عورت کی طرف سے خطاب ہے۔ زبان سادہ ہے لیکن چونکہ پرانی ہے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے۔ اس لئے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہے چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا ہور جیوں پر تھو سائیں ایسا،
سوئے تجیس ہوناں وہ ایسا

ایک سمند سات کہاوے دھونوس بادل مینہ برساوے
وہی سمند ہو بوند دکھاوے ندیاں نالے ہو کر چلے

پیو ملا گل لاگ رہی ہے   سکھ منہ[1] دکھ کی بات نہ کیجے

جے ہے سو ہے نہیں نہیں   چھٹ ایک دہی ہے ہور کہیں

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے   کہیں سو لیلیٰ ہوے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے   کہیں سو شیریں ہو کر آوے

ادھر[2] پنوائی[3] چک[4] رتنائی[5]   نینی بانسکٹ[6] ہور تل کالی
ایہہ جیو مانگیں بہویں دمالی[7]

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں   آپیں آپس لے گل لاؤں

کہیں بندوں کے کر سو بندگی ادبھا ہو ہو نماز گزاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ آ ہوں آپیں آپس اوپر واروں

کہیں سو ہوئے اندھیاری راتا   سانجھ بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیوا آ راتیں ساری   لا کر جوت دکھاوے ساری
کہیں سو عاشق ہو کر راؤں کہیں عارف ہوئے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

---

[1] میں [2] ہونٹ [3] پان کھائے ہوئے [4] آنکھیں [5] سرخ [6] سانپ
[7] دنبالہ دار [8] الٹا اٹھ کر

جو جیوڑا پیو سوں لاگا ہیئے جس نہہ کی آگا
تنھوں کا لوجہ سب بھاگا

جھنوں من پرم کا بھٹکا تلیں تل نہہ کا کھٹکا
سو جانے مرم کا ٹکا

خوب محمد چشتی ایک اور بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوّف میں دست رسا رکھتے تھے۔ صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۴۶/۱۵۳۹ء ھ میں اور وفات سنہ ۱۰۲۳/۱۶۱۴ء ھ میں ہوئی "خوش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنایع بدایع کلام میں ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں "گفتہ صنایع بدایع را زبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بہ حضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گرداند۔ دوہرہ۔

حمد خدا کی خوب کر کہہ صلوٰۃ رسول
پچیس صنعت شعر کی کہے تو ہوئے قبول

امابعد اس رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است در بیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام۔

دوہرہ:-

بھاؤ بھید اس نا ؤکر بات بکٹ سبھائن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو بجھ آپ آئن

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے۔ مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صنعت متضاد، آنست، کہ الفاظ چند ضد یکدیگر باشند، مثال

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اسے کہیں جگ ماہنہ
بھلا بُرا ہو ثمر با دیکھو سبل بھیل اسس کٹھاہنہ

عقدہ:- تن پایئں دی رج بسلائے باد بھرا کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال

صنعت تفریق تنہا آنست کہ میان دو چیز جدائی افکند، مثال

میں خوب تفریق تنہا پچھان
جدائی دو ہوں ماہنہ اس بھانت آن
کنول مکہ جس بن جدائی ایک بات
کنول دیس بھول سے نین یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ہے جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتادیا ہے " چودہ گھاٹ اوس برس ہزار" یعنی نوسو چھیاسی ۹۸۶ ہجری. خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے۔ شاہ علی محمد جیو کی کتاب "جواہر اسرار اللہ" اس سے مختلف ہے اس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں

تصوّف کے مقامات کا بیان ہے۔ میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں۔ انھوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں "امواج خوبی" کے نام سے لکھی ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

حمد و نعت

بسم اللہ کہوں چھٹ ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
نانو محمد تس کو دیت
اس تفصیل سو عالم کیت
اسی روح ارواح تمام
اسی جوش کے سب اجسام

جوں کھلہلیا سمند چھپائے
جانے سب دریا لہ جائے
لوک نہیں دریا بن پاہ
بھرے تو لوکے کی مقدار
جیوں ظاہر بھنتیاں کہلائیں
پن ایشاں اس بھانت دکھائیں

لہ جُثہ

ذرے مسل اک لوٹلا[۱] ٹھانہ
ناوں دھریا ہے اینٹ سوتانہ
جو ہر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وہم کرے نہیں دوئے
ڈاڈا[۲] جمنا[۳] جسے نہ ہوئے

باباشاہ حسینی باباشاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ہوئے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

شاہ علی جیو جگ پرور تم ہو میرے لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کو جھال

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے:۔

اس صاحب تنزا سوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عبد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

رو برد ہی شہر درسن بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں درحجاب

۱؎ مجموعہ (۲) پائیں (۳) دائیں۔

تس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دیا، کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نین ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہے عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل تر از آب ریا ظاہر منے
ہر استخارہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی ریعباد
دل سیں کرتا ہے ایس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اس کے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی اور اس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے۔

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلے میں ایک بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہو گئیں دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ شاہ میراں جی اور شاہ برہان نے

ہندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے نظمیں تحریر فرمائی ہیں اُسے ہندی سے موسوم فرماتے ہیں۔ یہاں ہندی کا لفظ فارسی کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے۔ عام طور پر ہر دیسی زبان ہندی کہی جاتی تھی۔ یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی، چنانچہ میر تقی، میر حسن یہاں تک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میراں جی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان گجری یا گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں:-

"سبب" یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق"

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں:-

جے ہوویں گیان بچاری　　نہ دیکھیں بھاکا گجری

جیں ارتھوں کیر افہام　　کیا بولوں سو ہے کام ۔

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ہیں:-

"یہ سب گجری زباں　　کر یہ آئینہ دیا نماں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہرالاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بہ لسان دُر ربار دجوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک محمد فرمودند"۔ شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں:-

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

"جیوں میری بولی منہ بات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روزمرہ کی بول چال ہے۔ اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے" ہر یک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اندوئی کنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی وعجمی آمیز است گفتہ ام" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے۔ اس آمیزش کا نام ریختہ ہے۔

"بھاد بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں "صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے

شاہ برہان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ہندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ہندی عام ہے یعنے وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی۔ ہندی ہی کے نام سے موسوم تھی گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اس کے قرب وجوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہوگئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

اگرچہ میران جی شاہ اور برہان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں

لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا قاضی محمود دریائی شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پھر بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لئے ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوئے ہیں جو بیجاپوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) ڈوسی (ڈوشی) بمعنی بڑھیا، اونڈا، گہرا، چھولی، چھوٹی، موج، ہیب یا ہیں (ہوئے) جمنا، دائیاں، پپوٹے (فوفولے) حباب وغیرہ، بعض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا۔

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کئے ہیں۔ یہ سب صوفیاء کے کلام میں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی ہیں۔ ان میں شاذ و نادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہے۔ خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے اور خیال وغیرہ اسی زبان میں کہتے تھے۔ لیکن ان میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ جب انھیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لئے نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں۔ اس رواداری سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان

کی ہدایت عام اور وسیع ہو۔ جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے انھوں نے ان کی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا۔ ان کی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں، طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیو مالا کی تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خودبخود ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے ہم اب اردو یا ہندستانی کہتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا نہیں کرتے۔ اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور فکر کو فکیر) ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا ان کے ہاں کوئی بات نہیں۔ اشباع و امالہ، ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں۔ قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں۔ مثلاً خالق کا قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آوازمیں چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق فرق کا طرف، عشاق کا کشاف شرف کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بزرگ اس کی پروا نہیں کرتے جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں ان میں ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے۔ اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گرد کا قافیہ شرد (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے وہ ان چیزوں

کا اس لئے خیال نہیں کرتے تھے کہ انھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں انھیں کی زبان میں انھیں کے لئے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ اصل صوفی ظاہری ننگ وعار سے بالا ہوتا ہے۔ اس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعروسخن، مذہب و تعلیم اور علم وحکمت کے اغراض کے لئے شروع کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی۔ گویہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرت کبیر میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کئے بغیر ختم نہیں کرسکتا

یہ بنارس کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے ابوالفضل اور دوسرے مورخوں نے انھیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انھوں نے معرفت الہی، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ریا اور ظاہرداری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر، جدت اور زور بھی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روزمرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کرجاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں۔ اور کڑوی سے کڑوی بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے انھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنادیا ہے ہندو انھیں کبیرداس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ ان کی زبان جیسا کہ ان کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوئے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لئے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جا سکتا

ہے۔ تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مردہ ہو جائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری میں ہندستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کردیا ہے۔ یہیں سے اردو یا ہندستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اس زبان کے اولین بانیوں میں سے ہیں جو ہندستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ بلاشبہ ان کے خیالات اعلیٰ اور ان کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے۔ لیکن اس کی زبان نے اس کے اثر کو زیادہ گہرا کردیا اور ان کی سادگی میں حلاوت پیدا کردی ہے اور ان کی محبوبیت اور مقبولیت کو وہ چند کردیا ہے۔ وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقع سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم ان کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے۔ یہ پھل اس پیڑ کا ہے جو انھوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

(۱)

رہنا نہیں دیس بیگانا ہے
یہ سنسار کاگدؔ[۱] کی پڑیا ہے
بوند پڑے گھل جانا ہے

---

[۱] کاغذ

(۲) بہت دنن بچھڑے ہری پائے
بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳) جاگ پیاری اب کا سووے
رین گئی دن کاہے کھووے

(۴) مرے تو مرجائیے چھوٹ پڑے جنجار[1]
ایسا مرنا کو مرے، دن میں سوسو بار

(۵) کبیر یہ گھر پریم کا خالہ کا گھر ناہیں
سیس اتارے ہاتھ سے سو بیٹھے گھر ماہیں

(۶) ایسا کوئی نا ملے جا سوں رہے لاگ
سب جگ جلتا دیکھیے اپنی اپنی آگ

(۷) بیٹھا کہاں مدھوکری بھانت بھانت کو ناج
دعوئی کس ہی کا نہیں بنا ولایت راج

(۸) کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار
پونچ تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاہے پار

(۹) کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے
اے پورپٹن اے گلی پھیرانہ دیکھو آئے

(۱۰) میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے میرا

(۱۱) کبیر سکھ کو جائے تھا آگے آیا دکھ
جلی سکھ گھر اپنے ہم جانیں اور دکھ

---

[1] جنجال

(۱۲) کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جانیا کیا ہوئے
ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تیں ایک نہ ہوئے

(۱۳) ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیرا داس

(۱۴) کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد موں تن سوں انتر کھول

(۱۵) کبیر ناؤ ہے جرجری کوڑے کھیون ہار
ہلکے ہلکے تر گئے بوڑے[2] جن سر بھار

(۱۶) سکھیا سب سنسار ہے کھائے اور سووے
دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور رووے

(۱۷) کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوئی پیے نہیں تو پیا نہ جائے

(۱۸) چلو چلو سب کوئی کہے موہی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور

---

[1] بیوقوف [2] ڈوبے